9

قومی نقائص اور کمزوریاں

(فرمودہ ۲۷- فروری ۱۹۳۱ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

دنیا میں نقائص ہمیشہ دو قسم کے ہوا کرتے ہیں- ایک فردی نقائص ہوتے ہیں اور ایک قومی نقائص- اسی طرح خوبیاں بھی دو قسم کی ہوا کرتی ہیں- ایک فردی خوبیاں ہوتی ہیں اور ایک قومی خوبیاں- یعنی ایک تو ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جو من حیث القوم کسی قوم میں نہیں ہوتیں- گو بعض افراد اپنی طبیعت کے لحاظ سے یا اپنی کوشش اور علم کے لحاظ سے ان خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں- اسی طرح بعض نقائص ایسے ہوتے ہیں جو قومی لحاظ سے تو کسی خاص قوم سے وابستہ نہیں ہوتے مگر بعض افراد میں وہ نقائص پائے جاتے ہیں- ایسے نقائص کا موجب کوئی ایک سبب نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ اسباب اور علیحدہ علیحدہ موجبات ہوتے ہیں کیونکہ بدی یا خوبی اپنے ماحول کے اثرات کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے- جس طرح کوئی بیج بغیر زمین کے نہیں اُگ سکتا اسی طرح کوئی نیکی یا بدی بغیر کسی ماحول کے پیدا نہیں ہو سکتی- ارد گرد کے اثرات جب تک کسی نیکی یا بدی کے لئے خاص زمین تیار نہ کر دیں اس وقت تک وہ نیکی یا بدی نشوونما نہیں پا سکتی- لیکن آگے ماحول بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو ایسا ماحول یعنی اثر ڈالنے والے ایسے سامان ہوتے ہیں جو خاص اس فرد سے تعلق رکھتے ہیں جیسے بعض قسم کی چیز خاص شہروں کی مخصوص زمینوں میں اُگتی ہے- وہ چیز ملک کے لحاظ سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ خاص قطعہ کی خاص زمین کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے- جیسے ہندوستان میں زعفران پیدا ہوتا ہے مگر یہ تمام ہندوستان میں نہیں پیدا ہوتا بلکہ خطۂ کشمیر میں پیدا ہوتا ہے اور پھر سارے کشمیر میں نہیں پیدا ہوتا

بلکہ وہاں صرف دو سو گھماؤں کے قریب ایک زمین کا قطعہ ہے جس میں زعفران پیدا ہوتا ہے۔ ایسی خوبیاں جو بھی ہوں ہم کہیں گے کہ یہ جزوی خوبیاں ہیں۔ اسی طرح بعض انسانوں میں بھی جزوی خوبیاں یا جزوی نقائص پائے جاتے ہیں۔ پھر بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو سارے ملک سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً گیہوں ہے یہ ہندوستان کے ساتھ بحیثیت ملک تعلق رکھتی ہے۔ قریباً ہندوستان کے ہر علاقہ میں گیہوں پیدا ہوتی ہے یا آم ہیں قریباً ہندوستان کے ہر علاقے میں آم پیدا ہوتے ہیں بہت کم ایسے علاقے ملیں گے جہاں آم نہیں ہوگا۔ پس تمام نیکیاں اور بدیاں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو افراد سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک وہ جو کسی قوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ افراد کی بدیاں تو افراد کی اصلاح سے تعلق رکھتی ہیں یعنی وہ افراد جن میں بدیاں ہوں اگر کوشش کریں تو اپنی اصلاح کر سکتے ہیں یا اگر وہ کوشش کریں تو ان کی فردی نیکیاں بڑھ جائیں گی۔ لیکن جو قومی اثرات کے ماتحت بدیاں یا نیکیاں پیدا ہوں ان میں کسی ایک فرد کی کوشش کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ فرد جزو ہے کُل کا اور جو خرابی کل میں ہوگی اس سے وہ بھی اثر پذیر ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص زہر کھالے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ زہر اس کے ہاتھ یا پاؤں یا دماغ یا دوسرے اعضاء پر اثر نہ کرے۔ کیونکہ زہر جب بھی جسم میں داخل ہوگا تو وہ سارے اعضاء میں تقسیم ہو جائے گا۔ یا اسی طرح ہم غذا کھاتے ہیں گوشت کھائیں یا چاول یا پھل استعمال کریں اس طرح جو طاقت حاصل ہوگی وہ سارے جسم میں پھیل جائے گی۔ دل بھی اس سے حصہ لے گا دماغ بھی حصہ لے گا ہاتھ پاؤں طحال اور معدہ سب اس غذا سے حصہ لیں گے کیونکہ انسانی جسم کے تمام اعضاء افراد ہیں کُل کے۔ اس لئے وہ اعضاء نیکی میں بھی حصہ لیتے ہیں اور بدی میں بھی۔ غذا کا بھی اثر قبول کرتے ہیں اور زہر کا بھی۔ اسی طرح جو نیکی یا بدی قومی طور پر پیدا ہو وہ ساری قوم پر اثر ڈالتی ہے۔ پس جو قومی نیکیاں یا بدیاں ہوں ان کا مقابلہ ایک حصہ بدن یعنی کوئی خاص فرد نہیں کر سکتا۔ نہ بدیوں کو دور کر سکتا ہے اور نہ نیکیوں کو وسیع طور پر پھیلا سکتا ہے کیونکہ کل کا اثر جزو پر ضرور پڑتا ہے سوائے اس کے کہ کوئی حصہ نکما یا بیمار ہو جائے اور اس وجہ سے وہ اپنے کل سے پورے طور پر فائدہ حاصل نہ کر سکے تو یہ اس کی جزوی خصوصیت ہو جائے گی۔ مثلاً عمدہ زمین میں اگر عمدہ بیج ڈالا جائے تو ضرور اعلیٰ پھل پیدا ہوگا۔ لیکن اگر کسی بیج میں نقص ہو جائے تو عمدہ زمین میں بھی نہیں اُگ سکے گا اور باقی اُگ آئیں گے۔ یہ اس کا فردی نقص ہوگا قومی نہیں ہوگا۔ اور ہم کہیں گے کہ فلاں بیج میں نقص ہو گیا ہے کھیت میں نقص نہیں نہ سارے بیج میں نقص ہے مگر یہ ایک استثنائی

صورت ہے- قاعدہ کلیہ دنیا میں یہی ہے کہ اگر کُل کو فائدہ ہو تو جزو بھی فائدہ حاصل کرے گا اور اگر کُل کو نقصان پہنچے تو جزو بھی نقصان میں شریک ہو گا- افراد کی بدیاں تو افراد سے وابستہ ہوتی ہیں اور ہر شخص کی علیحدہ علیحدہ تشخیص ہونی ضروری ہوتی ہے- مگر قومی بدیوں کے لئے تمام قوم کو غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے- اور ساری قوم کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان کو دور کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اگر بحیثیت قوم وہ ان بدیوں کے مقابلہ کے لئے کھڑی نہ ہو یا ان بدیوں کا علاج کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو بحیثیت قوم اس میں بہت سے گناہ اور نقائص پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر وہ نقائص مہلک ہوں تو ایک وقت اس قوم کو ہلاک کر دیتے ہیں- پس جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے نفس کی کمزوریوں کو دیکھے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم بحیثیت قوم بھی اپنی کمزوریوں کو دیکھیں- اور جو بحیثیت قوم ہم میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں ان کا علاج اور تدارک مشترکہ طور پر کریں کیونکہ بغیر مشترکہ طور پر علاج کرنے کے ہم کسی اور طریق سے کامیاب نہیں ہو سکتے- جیسے دریا میں جب سیلاب آتا ہے تو کوئی ایک زمیندار اسے نہیں روک سکتا بلکہ اسے روکنے کے لئے گورنمنٹ کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے جو مجموعہ افراد کا نام ہے-

گورنمنٹ کس چیز کا نام ہے اسی کا کہ سارے افراد کا تجویز کردہ ایک مجموعہ ہوتا ہے جسے گورنمنٹ کہا جاتا ہے- جب تک گورنمنٹ سیلاب کے روکنے میں امداد نہیں دیتی اس وقت تک وہ رک نہیں سکتا- اسی طرح جو بدیاں مجموعہ افراد سے پیدا ہوتی ہیں اور قومی بدیاں کہلاتی ہیں جب تک تمام لوگ بحیثیت قوم ان کے ازالہ کی کوشش نہ کریں اس وقت تک ان کا استیصال نہیں ہو سکتا- میں چاہتا ہوں کہ ایک سلسلہ خطبات کے ذریعہ قومی بدیوں پر کچھ بیان کروں اور ایسے رنگ میں بیان کروں جس سے عملی پہلو اختیار کرنے کا جماعت کے احباب کو موقع مل سکے یہ تو کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنی باتوں پر عمل کرانے بھی لگ جائے کیونکہ ہر شخص کا اپنا اختیار ہوتا ہے جس بات پر چاہے عمل کرے اور جس پر چاہے نہ کرے لیکن اگر پورے طور پر کوئی بات ذہن نشین ہو جائے تو بسا اوقات انسان ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کچھ کر دکھاتا ہے لیکن اگر بات ہی ذہن نشین نہ ہو تو کچھ نہیں کر سکتا- میرے نزدیک احمدیہ جماعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں چار پہلوؤں سے قومی بدیوں پر غور کرنا چاہئے وہ چار ذرائع ایسے ہیں جن کے ذریعہ ہم قومی امراض کی تشخیص کر سکتے ہیں پہلا ذریعہ وہ تعلیمات ہوتی ہیں جو کسی قوم میں جاری ہوں اور جن پر عمل کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا ہو- چونکہ ہر شخص ان باتوں پر عمل کرتا ہے اس

لئے اگر وہ باتیں بری ہوں یا ان سے بد نتائج نکل سکتے ہوں تو ہر شخص اس برائی میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہندو قوم کی تعلیمات میں اگر کوئی نقص ہو تو لازمی طور پر ان کی تمدنی و معاشرتی زندگی میں بھی اس سے برے نتائج رونما ہوں گے کیونکہ جب ہر شخص کو وہ عقائد رکھنے ضروری ہیں تو لازماً اگر ان عقائد کے بد نتائج پیدا ہو سکتے ہوں تو قوم کا ہر فرد اس کے برے نتیجہ میں گرفتار ہو جائے گا۔ اب جو مسلمان قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھتا ہے وہ بہر حال یہ بھی سمجھتا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا نقص نہیں اور اس کی کوئی تعلیم ایسی نہیں جو برے نتائج پیدا کر سکے یا جن کی وجہ سے کوئی بدی پیدا ہو جائے کیونکہ جب تعلیم بالکل بے عیب ہے تو اس کا برا نتیجہ کیونکر نکل سکتا ہے اور مسلمانوں میں برائی کہاں سے آسکتی ہے یہ ایک سوال ہے جو طبعاً ہر شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے لیکن اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے اگرچہ قرآن میں تو کوئی نقص نہیں مگر ایک بات ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے اور وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے قرآن کے سمجھنے میں نقص پیدا ہو جائے۔ پس اگرچہ قرآن میں تو کوئی نقص نہیں لیکن جب اس کے معنے سمجھنے میں نقص پیدا ہو جائے تو یہ نقص تمام قوم کو متاثر کر دے گا۔ اگر قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں بزرگوں نے بعض غلطیاں کی ہوں تو چونکہ دنیا اپنے بڑوں کے پیچھے پیچھے چلتی ہے اس لئے لازماً ایسی غلطیاں ساری قوم میں رائج ہو جائیں گی اور یہ فردی بدیاں نہیں کہلائیں گی بلکہ قومی بدیاں ہو جائیں گی۔

ہماری جماعت چونکہ نئی جماعت ہے اور اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا ہے اس لئے پرانی روایات کا اگرچہ ہم پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی ہماری جماعت اس سے پورے طور پر محفوظ نہیں رہ سکتی کیونکہ اس میں کثرت انہیں لوگوں کی ہے جو پہلوں سے نکل کر آئی ہے۔ یا ایسی اولادیں ہیں جو اپنے پرانے رشتہ داروں کے اندر رہتی اور اس طرح ان سے اثر قبول کرتی ہیں۔ پس اگر ہم اپنی قومی بدیاں دیکھنا چاہیں تو اس کا بھی یہ ذریعہ ہے کہ غیر احمدیوں میں جو قومی نقائص ہیں ہم ان پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا ہم میں بھی تو وہی نقائص پیدا نہیں ہو رہے۔ کیونکہ بیشتر حصہ ہماری جماعت میں انہی میں سے آیا ہے۔ اور اگرچہ وہ احمدیت میں داخل ہو کر بدل گئے مگر چونکہ ایسے نقائص عادت کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں اس لئے جلدی نہیں چھُٹ سکتے۔ پس ایک تو ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ دوسروں میں کون کون سی قومی بدیاں ہیں اگر انہیں دیکھ کر ہم اپنی تشخیص کریں گے تو ہمارے لئے بہت سی آسانی پیدا ہو جائے گی۔ دوسری

حالات پر اثر ڈالنے والی چیز آب و ہوا ہوتی ہے- یہ آب و ہوا ایک مسلمان، یک ہندو اور ایک عیسائی پر بالکل یکساں اثر کرتی ہے- اگر ملک کی آب و ہوا کی وجہ سے کوئی خاص قسم کا نقص پیدا ہوتا ہے تو وہ سب پر یکساں اثر ڈالے گا- اور اس سے جو برائی پیدا ہوگی وہ بھی قومی برائی کہلائے گی. فردی نہیں- پس ہمیں ایک یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ آیا ہندوستان کی آب و ہوا میں ایسے نقائص تو نہیں جو تمام قوموں میں من حیث القوم پائے جاتے ہوں خواہ وہ عیسائی ہوں یا ہندو یا سکھ یا دوسرے مذاہب والے- اگر ہم غور کریں گے تو ایسے نقائص کا اثر اور رنگ بھی ہمیں اپنے اندر نظر آجائے گا- تیسری چیز یہ ہوا کرتی ہے کہ ہم دیکھیں ہمارے ارد گرد جو دوسرے مذاہب بستے ہیں علاوہ ملکی آب و ہوا کے ان میں کون کون سے قومی نقائص ہیں کیونکہ جس طرح ملک کی عام آب و ہوا سے قوم متأثر ہوتی ہے اسی طرح اپنی ہمسایہ اقوام اور مذاہب سے بھی اثر قبول کرتی ہے- ہم روزانہ دیکھتے ہیں والدین سچ بولنے والے ہوتے ہیں مگر ان کا بچہ جھوٹ بولنے لگ جاتا ہے- اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ ہمسایہ لڑکوں سے جن کے ساتھ کھیلتا ہے اثر لیتا ہے اور گو اس کے ماں باپ سچ بولنے والے ہوتے ہیں مگر ہمسایوں یا دوستوں اور ہمجولیوں کے بد اثرات کی وجہ سے وہ جھوٹ بولنے لگ جاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر یہ بھی اسی بد عادت میں مبتلاء ہو جاتا ہے جس میں دوسرے اس کے ہمسایہ یا دوست مبتلاء ہوتے ہیں- پس جب ہمسائیگی کا بھی اثر پڑتا ہے تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ بحیثیت قوم ہندوؤں میں یا بحیثیت قوم سکھوں میں جو ہندوستان میں رہتے ہیں کیا بدیاں ہیں اور یہ کہ کیا ہم میں بھی ان کا اثر ہے یا نہیں- اور اگر ہم غور کریں گے تو یقیناً ان کا اثر بھی ہمیں اپنے اندر مل جائے گا- چوتھی بات یہ ہوا کرتی ہے کہ کسی قوم میں اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے کوئی نقص پیدا ہو جائے- ہر قوم کے اپنے اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں جن کے ماتحت اس میں بعض نیکیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض کمزوریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ اس کی موٹی مثال میں اپنی جماعت کی پیش کرتا ہوں- ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دور دور کے لوگوں کے قلوب کو فتح کر لیا ہے- ادھر ہماری جماعت کا عقیدہ ہے کہ کبھی غیر احمدیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے اور چونکہ احمدی ایک ایک دو دو اکثر مقامات پر پائے جاتے ہیں اس لئے مِنْ حَیْثُ الْقَوْم احمدیوں میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں- اب ان میں یہ نقص پیدا ہو گیا ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھنے کی طرف بہت جلد راغب ہو جاتے ہیں- یہ اس لئے پیدا ہوا کہ چونکہ اکثر جگہ احمدیوں کی اپنی

مسجدیں نہیں اور جہاں ایک ایک دو دو احمدی ہیں وہ اگر غیر احمدیوں کی مسجدوں میں نماز پڑھیں تو انہیں تنگ کیا جاتا اور مارا پیٹا جاتا ہے اس لئے وہ گھروں میں نماز پڑھتے رہے اپنی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے نہیں بلکہ حالات کی وجہ سے مگر اب ان میں نقص پیدا ہو گیا ہے کہ وہ عموماً فرض نمازیں بھی گھروں پر پڑھ لیتے ہیں اور جہاں جہاں مسجدیں بن گئی ہیں وہاں بھی مساجد میں نماز پڑھنے کے لئے لوگ تھوڑے آتے ہیں۔ ہماری جماعت کے دوستوں میں دین کے لئے جوش بھی ہو گا۔ اخلاص بھی ہو گا۔ محبت بھی ہو گی مگر نمازیں گھروں میں پڑھیں گے۔ اس کے مقابلہ میں ایک غیر احمدی چاہے اس کی نماز ظاہرداری کے لئے ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کی نماز پریشان خیالات کا مجموعہ ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ مسجد میں نماز کے لئے جائے گا۔ ہمارے دوست نماز پڑھتے وقت بے شک اتنے خضوع اور تضرع سے نماز پڑھیں گے کہ ان کی گھگھی بندھ جائے گی اور رو رو کر اپنی سجدہ گاہ تر کر دیں گے مگر عموماً نماز پڑھیں گے تو گھروں میں۔ یہ نقص ہے جو مخصوص حالات کی وجہ سے ہماری جماعت میں پیدا ہو گیا ہے۔

یہ چار ذرائع ہیں جن کی وجہ سے کسی قوم میں بدیاں پھیلتی ہیں۔ پس ہمیں ان چاروں کے ماتحت غور کرنا چاہئے کہ کون کون سی بدیاں ان سے پیدا ہو سکتی ہیں اور پھر ہمیں اپنی قوم کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی کیا حالت ہے۔ اگر وہ بدیاں ہمیں اپنے اندر نہ بھی ملیں تب بھی ہمیں اپنے بچاؤ کا سامان کرنا چاہئے۔ اور ایسے ذرائع سوچنے چاہئیں جن کے ماتحت ایسی بدیاں ہم میں داخل ہی نہ ہو سکیں۔ عقل مند کا کام یہ ہوتا ہے کہ حفظ ماتقدم کرتا ہے۔ مثلاً انفلوئنزا جب آتا ہے تو ہم پہلے سے ہی اس کے لئے حفظِ ماتقدم کی تدابیر اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم اس وقت کا انتظار کریں جب ہمیں زکام لگ جائے اور چھینکیں آنی شروع ہو جائیں یا مثلاً جب طاعون پھیلتی ہے تو ہم گلٹی کے نکلنے کا انتظار نہیں کرتے بلکہ ابھی ہماری غدودیں بھی نہیں پھولتیں اور کوئی بھی اثر ہمارے جسم پر نہیں ہوتا کہ ہم شہر سے باہر کھلی ہوا میں چلے جاتے ہیں۔ اور اگر ہم انتظار کریں کہ پہلے غدودیں پھول لیں پھر ہم علاج کریں گے۔ تو یقیناً اس وقت کا علاج کار آمد ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ انسان کا بچنا محال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا انسان بیماری کو آپ بلاتا اور موت کو خود دعوت دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہماری نظر وسیع ہو اور ہم دیکھیں کہ کوئی بیماری ہم میں نہیں یا ہمارے ملک میں تو نہیں اور اگر ہمارے ملک میں وہ بدی موجود ہو تب بھی ضروری ہو گا کہ ہم اس کے ازالہ اور مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ اگر ہم ایسا کر سکے تو ایسی قومی بدیوں سے ہم

دوسروں سے زیادہ محفوظ رہیں گے۔ جس طرح وباء کے ایام میں جو اشخاص حفاظتِ نفس کے لئے تدابیر اختیار کرتے ہیں وہ نسبتاً دوسروں کے مقابلہ میں وباء کا بہت کم شکار ہوتے ہیں۔ میں نے بتایا ہے سب سے پہلی چیز جو انسان پر اثر کرتی ہے وہ اس کا منبع ہوتا ہے۔ جسمانی لحاظ سے ہمارا منبع وہ فرق ہیں جو اگرچہ اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں مگر عقائد اور اعمال کے لحاظ سے اسلام میں بہت کچھ تبدیلی کر چکے ہیں۔ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ انہوں نے کہاں کہاں ٹھوکر کھائی۔ اور پھر اس کے قومی لحاظ سے کیسے خطرناک نتائج پیدا ہوئے تا ہم اپنے آپ کو ان بدیوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اس وقت میں ان تمام باتوں میں سے صرف ایک بات بیان کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو کتاب تو قرآن جیسی کامل ملی تھی مگر بدبختی سے ایسی غلطیاں ان میں پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے ان میں مخصوص امراض کا پیدا ہو جانا لازمی امر تھا۔ چنانچہ پہلی چیز جو قومی بدی پیدا کرنے کا باعث ہوئی وہ مسلمانوں کا یہ یقین تھا کہ قرآن نہایت مکمل کتاب ہے۔ اور اس میں ان تمام باتوں کا بالتفصیل ذکر موجود ہے جو اول سے آخر تک انسانوں کی ہدایت کا موجب ہیں۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے قرآن کی ایک مسلّمہ خوبی کو عیب بتایا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دراصل یہ ہے تو خوبی مگر اس کے غلط طور پر سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت بڑا عیب پیدا ہو گیا۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ قیامت تک کے لئے یہی ہدیت نامہ ہے جس میں تمام اعلیٰ تعلیمیں جمع کر دی گئی ہیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں اللہ تعالیٰ نے جو انسانی دماغ کا خالق ہے وہ یہ جانتا تھا کہ دماغ کی یہ خاصیت ہے کہ اگر اسے سوچنے کی عادت نہ ڈالی جائے تو یہ مُردہ ہو جاتا ہے اور اس میں ترقی کرنے والی کیفیت باقی نہیں رہتی اس لئے گو قرآن کو اس نے کامل بنایا مگر ہر حکم جو دیا اس کا ایک حصہ انسان کے دماغ کے لئے چھوڑ دیا۔ کچھ اصول بتائے اور کچھ فروع اور بعض جگہ فروع کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا گیا تا انسان انہیں خود تلاش کرے اور تا انسانی دماغ ناکارہ نہ ہو جائے اس لئے قرآن مجید ایسی عبارت اور ایسے الفاظ میں نازل کیا گیا کہ ان پر جتنا زیادہ غور کرو اُتنے ہی زیادہ معارف پر اطلاع ہوتی ہے۔ وگرنہ اگر سب کو یکساں فائدہ پہنچانا مد نظر ہوتا تو مضمون ایسا کھلا ہوتا کہ ہر شخص خواہ وہ غور کرتا یا نہ ان مضامین سے آگاہ ہو جاتا۔ مگر قرآن مجید کے مضامین اتنے گہرے اور باریک ہیں کہ کوئی دوسری کتاب اس خصوص میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس سے منشاء الٰہی یہی ہے کہ انسانی دماغ معطل اور بے کار نہ ہو بلکہ وہ سوچے اور غور کرے تاکہ اس کا نشوونما ہوتا رہے۔ یہی

وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جب مسلمانوں نے بار بار چھوٹے چھوٹے مسائل دریافت کرنے شروع کئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ [1] اے ایمان والو ایسی باتیں بھی دریافت نہ کرو جو تمہیں اگر بتلادی جائیں تو تم دکھوں میں پڑ جاؤ۔ ہم نے کئی مسائل جان بوجھ کر چھوڑ دیئے ہیں کیونکہ اگر ہر بات ہم بیان کردیں تو تم دکھ میں مبتلاء ہو جاؤ گے۔ اب خدا تعالیٰ کا تو کوئی حکم ایسا نہیں ہو سکتا جو انسان کو تکلیف میں ڈال دے اور اس کے لئے دکھ کا موجب ہو اگر واقعی کوئی حکم نقصان رساں ہے تو پھر وہ خدا کا حکم نہیں کہلا سکتا۔ پس اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ اگر کوئی بات بتاتا تو وہ دکھ کا باعث ہو جاتی بلکہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم تمام تفاصیل بیان کردیں تو تمہارا دماغ ناکارہ ہو جائے گا اور اس کا ارتقاء رک جائے گا اور یہ تمہارے لئے دکھ کی بات ہوگی۔ وگرنہ مسلمان تو ایک منٹ کے لئے بھی یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی حکم ایسا بھی ہو سکتا ہے جو دکھ کا موجب ہو اس کا تو ہر حکم خیر اور برکت کا ہی موجب ہے مگر دماغوں کا تعطّل سب سے بڑی نحوست ہے اور یہی نحوست واقع ہو جاتی ہے اگر تمام تفاصیل اور باریکیاں بھی خدا تعالیٰ خود بیان کردیتا۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو کہ وہ قرآن کامل کتاب ہے مسلمانوں نے نہ سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک یہ حکمت ان کے سامنے رہی کہ قرآن نہایت وسیع مطالب رکھتا ہے اس وقت تک تو ان کی قابلیتیں بڑھتی گئیں مگر جب ان میں یہ غلطی پیدا ہو گئی کہ اس اکملیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کے معارف میں ترقی نہیں ہو سکتی اور اس سے نئے نئے علوم نکالے نہیں جاسکتے تو انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ پچھلے بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا تو انکار نہیں ہو سکتا وہ تو جو کچھ قرآن کے معارف لکھ گئے سو لکھ گئے مگر آگے کسی کا حق نہیں کہ قرآن سے نئے نئے معارف نکال کر لوگوں کے سامنے پیش کرے کیونکہ یہ کامل کتاب ہے اور اس نے آپ ہی آپ سب کچھ بیان کردیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ تو مشکل تھا کہ پہلوں کو غلطی خوردہ کہتے اس لئے انہوں نے کہا کہ پہلوں نے تو جو کچھ لکھا وہ ٹھیک لکھا ان کا حق تھا کہ وہ لکھتے مگر آگے کسی کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا۔ حالانکہ قرآن میں اگر واقعی نئے نئے علوم ہیں تو پھر اگر پہلوں کا حق تھا کہ وہ قرآن کے نئے علوم بیان کریں تو ہمارا کیوں حق نہیں۔ اور اگر قرآن خدا تعالیٰ کا کلام نہیں اور اس سے نئے نئے معارف ہم نہیں نکال سکتے تو نئے معنے کرنے پر جیسے ہم مجرم ہیں ویسے ہی پہلے بھی مجرم ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ میں اگر قرآن سے کوئی نئی بات نکالوں تو گناہ ہو جائے اور اگر ابن عباسؓ قرآن کی کسی آیت کے نئے معنے کریں

تو کہا جائے سبحان اللہ! رسول اللہ ؐ کے بھتیجے نے کیسے اچھے معنے کئے۔ آج اگر زید قرآن سے کوئی نئی بات نکالے تو وہ تو مجرم اور واجب القتل شمار کیا جائے لیکن اگر رازیؒ اس قسم کے مطالب بیان کریں تو انہیں امام تسلیم کیا جائے۔ اگر قرآن مجید سے نئے معارف نکل سکتے ہیں تو جیسے ان کا حق تھا کہ وہ نکالیں ویسے ہی ہمارا بھی حق ہے کہ ہم نکالیں اور اگر نہیں نکل سکتے تو پھر پہلے اور پچھلے دونوں مجرم ہیں کسی کی بھی تعریف نہ کرو۔ غرض یہ بالکل متضاد باتیں ہیں کہ ایک ہی منہ سے تو وہ قرآن کے نئے معارف بیان کرنے والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔ حضرت عباسؓ اور امام رازیؒ کے مداح بنتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اور قرآن سے اچھی باتیں نکالے تو اسی منہ سے اسے ملزم ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہی حرکت پہلوں سے بھی ہوئی۔ پس یہ تضاد ہے اور محض اس وجہ سے ہے کہ بزرگوں کو جھٹلانا مشکل ہوتا ہے ورنہ قرآن کے سیاق و سباق پر غور کر کے اگر مطالب بیان کرنے اور نئے نئے معارف نکالنے گناہ اور نقص ہے تو سب اس میں شریک ہیں۔ لیکن اس خیال نے مسلمانوں کے دماغوں کو معطّل کر دیا اور ان کی ایسی حالت ہو گئی کہ اگر کوئی قرآن سے نئی بات نکالے تو کہتے ہیں کہ اس نے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ قرآن کو خراب کر دیا۔ جب یہ بات مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی تو جس شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ روحانی ترقیات کا سلسلہ اب بند ہے لازماً جسمانی ترقیات کے بند ہو جانے کا خیال بھی اسے پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو ساتویں صدی تک مسلمانوں میں ایجاد کا سلسلہ جاری رہا۔ مسلمانوں میں طب کے بھی ماہر نظر آتے ہیں، علم کیمیا کے بھی ماہر نظر آتے ہیں، ہیئت اور علم ہندسہ کے بھی ماہر نظر آتے ہیں مگر اسی صدی میں جب یہ خیال غالب آجاتا ہے کہ اب قرآن سے نئے معارف نکالنے گناہ ہیں جو کچھ ضروری تھا وہ سب بیان ہو چکا تو دنیاوی ایجادات کا سلسلہ بھی رک گیا۔ نہ طب میں ترقی ہوتی ہے نہ علم ہندسہ میں، نہ الجبرا میں نہ انجنیئرنگ میں معاً تمام علم اٹھ جاتا ہے اور ساری باتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ساتویں صدی تک ہی تفسیروں کی کتابیں لکھی جاتی ہیں اور جب یہ خیال دلوں میں بیٹھ جاتا ہے کہ اب نئی باتیں قرآن سے نکالنی گناہ ہیں سب کچھ مٹنا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ جب روحانی علوم کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اب ان میں ترقی نہیں ہو سکتی تو جسمانی علوم میں بھی تنزل شروع ہو جاتا ہے۔

پس یہ ایک بدی ہے اور قومی بدی ہے۔ مسلمانوں میں کبھی یہ احساس نہیں دیکھو گے کہ نئی ایجادات کی طرف توجہ کریں بلکہ وہ پرانی چیزوں کو لے کر یوں چمٹے رہیں گے کہ گویا ان چیزوں کی

جدائی سے ان کی جان نکلتی ہے۔ پس اسی زمانہ سے جب سے مسلمانوں نے قرآن کے متعلق یہ خیال کرلیا کہ اس سے نئی باتیں نہیں نکالی جاسکتیں قوم کی ترقیات رک گئیں اور علوم کا سلسلہ معدوم ہو گیا۔ جونہی مسلمانوں کی یہ حالت بدل جائے ان کی باقی حالت بھی بدل جائے گی اور وہ بھی ترقیات کے میدان میں پہلے کی طرح بڑھنے شروع ہو جائیں گے۔ عیسائیوں پر بھی ایک زمانہ ایسا آچکا ہے جس میں وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جو ہمارے پہلے بزرگ لکھ چکے ہیں وہی کافی ہے اب ہمیں غور و فکر کی ضرورت نہیں اور وہی زمانہ تھا جس میں وہ ظاہری علوم کے لحاظ سے بھی گر گئے۔ پھر جب لوتھر وغیرہ ہوئے تو انہوں نے کہا ہمیں انجیل پر غور کرنا چاہئے پہلوں کی باتوں پر ہی بیٹھے نہیں رہنا چاہئے۔ اس دن سے ان میں ایجادیں شروع ہو گئیں۔ ہندو اقوام میں دیکھ لو جب سے ان میں مذہبی اصلاحیں شروع ہوئی ہیں اسی وقت سے ان میں ترقی ہوئی ہے۔ ایک طرف برہمو سماجی پیدا ہو گئے ایک طرف آریہ سماجی پیدا ہو گئے جنہوں نے ہندوؤں کے دماغ میں نشوونما پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے ہندوؤں کی دنیوی ترقی رکی ہوئی تھی۔ مگر جب ایک طرف سے برہمو نے ان کی عقل کو تیز کیا اور ایک طرف سے آریوں نے انہیں جگانا شروع کیا تو معاً ان میں علوم کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ترقی کی طرف ان کا قدم اٹھنے لگا۔ پس قرآن سے توجہ ہٹا لینے کی وجہ سے اور یہ خیال کرنے کی وجہ سے کہ ہمیں اپنی عقل اور دماغ سے کام لینے کی ضرورت نہیں مسلمان گر گئے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب ملی اس میں بار بار یہی دعا سکھائی گئی تھی قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا[۲] اے خدا میرا علم بڑھا۔ اے خدا میرا علم بڑھا۔ اے خدا میرا علم بڑھا۔ پس یہ نادانی تھی جو مسلمانوں نے کی اور جس کا برا نتیجہ بھی انہوں نے دیکھا۔ میں ابھی صرف اس اصل کو بیان کرتا ہوں۔ یہ امر کہ یہ نقص ہماری قوم میں ہے یا نہیں اسے میں کسی دوسرے وقت بیان کروں گا۔ مگر مسلمانوں میں یہ ایک بدی ہے اور قومی بدی ہے چھ سو سال سے مسلمان تباہ ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ہر قسم کے علوم کی ترقیات مسلمانوں میں رک گئیں۔ لطیفہ یہ کہ پہلے سات سو سالوں میں گانے کے علم میں بھی مسلمانوں میں ترقی نظر آتی ہے۔ اس علم پر بڑی بڑی کتابیں ملتی ہیں اور آج یورپ تسلیم کر رہا ہے کہ ہمارا گانا مسلمانوں کی نقل ہے لیکن جس دن انہوں نے قرآن سے بے توجہی کی اسی دن سے اس بات میں بھی گر گئے۔ حتیٰ کہ میں سمجھتا ہوں مسلمانوں میں کامیاب چور بھی پیدا ہونے بند ہو گئے۔ ذہین شخص چوری کرے گا تو اس میں بھی ہوشیاری دکھائے گا لیکن بیوقوف چوری کرے گا تو وہ آپ بھی پھنسے گا اور دوسروں کو بھی پھنسائے گا۔ مثل

مشہور ہے۔ایک شخص نیانیا چور بنا تھا اس نے کہیں چوری کی۔ تفتیش کے لئے جب پولیس آئی تو یہ بھی ساتھ ہو گیا اور کہنے لگا میں بھی تحقیقات میں مدد دیتا ہوں۔ گاؤں کے دوسرے آدمی بھی ساتھ ہو لئے چلتے چلتے کہنے لگا دیکھو یہ چوروں کے پاؤں کے نشان ہیں اور بار بار یہ کہے۔ پہلے تو پولیس والوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ مگر آخر انہوں نے دل میں کہا ہمیں تو نظر نہیں آتے اسے جو نظر آ رہے ہیں ضرور کوئی بات ہے۔ان کا روزمرہ کا کام ہوتا ہے وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی چوری میں شامل ہو گا وہ اسے شاباش دیتے گئے اور کہنے لگے اچھا آگے چلو۔ وہ سارا واقع بیان کرتا جائے معلوم ہوتا ہے چور پہلے یہاں ہے پھر یہاں اور اس جگہ سے وہ کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ بڑا سراغرساں بن کر وہ سارے حالات بتلاتا گیا اور پولیس والے بھی تعریفیں کرتے گئے۔ آخر کہنے لگا معلوم ہوتا ہے چور اس کوٹھڑی کے دروازے سے داخل ہوا۔اس نے اسباب اکٹھا کرنا شروع کیا اور جب لے کر چلا تو دیکھئے معلوم ہوتا ہے یہاں اسے ٹھوکر لگی اور جب ٹھوکر لگی تو گٹھڑی اندر اور میں باہر۔ بے اختیار اس کے منہ سے "میں" نکل گیا۔ انہوں نے کہا "میں" تو یہاں بیٹھ جائے اور باقیوں کو پھر دیکھ لیں گے۔ تو دماغی نشوونما اور قابلیت کی ہر چیز میں ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا شخص جب نیکی کی طرف جاتا ہے تو نیکی میں ترقی کر جاتا ہے۔ اور اگر بدی کی طرف جاتا ہے تو بدی میں ترقی کر جاتا ہے۔ مگر بیوقوف شخص دونوں پہلوؤں میں پیچھے رہتا ہے۔ پس مسلمانوں میں جب قابلیت مٹ گئی اور ان کی دماغی نشوونما جاتی رہی تو سب کچھ معدوم ہو گیا۔ عمدہ جرنیل بھی مسلمانوں میں نہ رہے بلکہ نیک بھی جو ہوتے رہے وہ بھی ادنیٰ درجہ کے ہوتے رہے۔ بڑے بڑے صوفیاء اور اولیاء جو ہوئے ہیں پہلی سات صدیوں میں ہی ہوئے ہیں سوائے ان کے جن کو خدا نے خود اصلاح امت کے لئے کھڑا کیا۔ جیسے مجددین وغیرہ۔ پس یہ ایک عیب تھا جو مسلمانوں کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم غور کریں کیا ہم میں بھی تو یہ نقص پیدا نہیں ہو رہا اور اگر ہو گیا ہے تو اس کے ازالہ کی کوشش کریں۔ ورنہ جس نقص نے تمام مسلمانوں کو مصیبت میں ڈال دیا وہ ہمارے لئے بھی مشکلات کا موجب ہو سکتا ہے

میں اس وقت صرف اس حصہ کو بیان کرتا ہوں باقی حصے انشاء اللہ آہستہ آہستہ بیان کروں گا تا جماعت میں احساس پیدا ہو اور وہ ایسی سکیم سوچے جس سے اس قسم کی امراض کو ہم دور کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو میں متعدد خطبات میں اس کو تفصیلاً بیان کروں گا۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں فردی اور قومی امراض سے نجات دے اور اُن نقائص

سے جو پہلوں کی تباہی کا موجب ہوئے محفوظ رکھے اور وہ خوبیاں ہمارے اندر پیدا کرے جو پہلوں کی ترقیات کا موجب ہوئیں

(الفضل ۱۵- مارچ ۱۹۳۱ء)

ا المآئدة:۱۰۲

۲ طٰہٰ:۱۱۵